ڈاکٹر سید ناصر زیدی: دلائل وجود باری تعالیٰ، ملاصدرا کی نظر میں (۲۰۰۶)

محمد خالد مسعود

میں جناب ثاقب اکبر کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں، اس لئے بھی کہ انہوں نے آج کی اس علمی نشست میں مجھ جیسے تہی دامن کو شرکت کا موقع دیا اور اس لئے بھی کہ انہوں نے ڈاکٹر سید ناصر زیدی کی اس بیش قیمت کتاب کی طباعت کا اہتمام بھی کیا اور اس کی اشاعت کا بھی۔ آج کے دور میں فلسفہ اور خصوصاً الہیات ان مضامین کی فہرست میں شامل ہو گئے ہیں جن کے پڑھنے سے دین و دنیا میں بھلا ہونے کے قائل بہت کم رہ گئے ہیں۔ دنیا میں بھلے کے قائل تو ایم بی اے یا کمپیوٹر کی طرف متوجہ ہیں۔ دین میں بھلے کے قائل فلسفے سے خوف کھاتے ہیں اور اس کے خوف کو اللہ کے خوف میں شامل سمجھتے ہیں کہ اس کی وجہ سے عقل پر بوجھ پڑتا ہے اور اللہ سے دعا مانگتے ہیں کہ ہم پر اتنا بوجھ نہ ڈال جو ہم سہہ نہ سکیں۔ یہ دعا مانگ کر بوجھ کا فیصلہ اللہ پر نہیں چھوڑتے کیونکہ اس طرح انہیں الہٰیات کے گہرے سمندروں میں اترنا پڑے گا۔

ڈاکٹر ناصر زیدی کی ہمت کو داد دیجئے کہ انہوں نے اس خوف سے بے پروا ہو کر اتنے مشکل موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ ان کی یہ بے خوفی ہی ہے کہ محض فلسفہ ہی نہیں اور فلسفے میں صرف الہٰیات ہی نہیں بلکہ ملا صدرا کی حکمت متعالیہ کو موضوع بنایا۔ یہ موضوع اتنا بھاری پتھر ہے کہ بہت سے دانشوروں نے اسے چوم کر رکھ دیا۔ بعض نے ترجمے کی حد تک زور آزمائی کی۔ حسین نصر اور فضل الرحمن نے اس پتھر کو اٹھایا لیکن مسحور ہو کر رہ گئے۔ ناصر زیدی ملا صدرا کے طلسم سے اس لئے بچ نکلے کہ وہ ان کے افکار سے خود ہی محظوظ نہیں ہونا چاہتے تھے بلکہ وہ ہم

جیسوں کو بھی ان سے آگاہ کرنا چاہتے تھے۔ میں ثاقب اکبر اور ناصر زیدی کی تعریف اسی خود غرضی کے جذبے سے سرشار ہو کر کر رہا ہوں ورنہ اس غیب و حضور میں ہم نہ غیب میں ہیں نہ حضور میں۔

غیب و حضور ملا صدرا یعنی علامہ صدر الدین شیرازی کی زندگی کی کہانی بھی ہے۔ ملا صدرا کا زمانہ سولہویں صدی کے آخری اور سترہویں صدی عیسوی کے پہلے نصف پر محیط ہے۔ ایران صفوی سلطنت کے نازك دور سے گزر رہا تھا تو برصغیر میں مغل سلطنت پر بھی پل پل کٹھن تھا۔ یہاں مغلوں نے ابھی قدم جمائے نہیں تھے کہ ہمایوں کو شکست ہوئی کہ اس کو بھاگ کر ایران میں پناہ لینا پڑی۔ ایران میں شاہ طہماسب صفوی نے اس کی مدد کی تو سپاہیوں کے ساتھ ساتھ ایران کے فنونِ لطیفہ، ادب، فلسفے اور مذہب کے اثرات بھی برصغیر میں آئے۔ صفوی سلطنت نے شیعیت کو ریاستی مذہب قرار دے کر اس کے استحکام کے لئے اداروں کی تعمیر شروع کی ہوئی تھی۔اس کے لئے علم کلام، فلسفہ اور الہیات پر توجہ ہوئی۔ یہاں ایک عرصے سے اخباریوں کا بول بالا تھا اب اصولیوں کی بھی سنی جانے لگی۔

برصغیر میں ان سارے علوم کو معقولات کا نام دیا جاتا تھا چنانچہ ہمایوں کے ساتھ ایران سے معقولات بھی برصغیر میں آئے۔ یہاں کے مدارس اور تعلیمی اداروں میں معقولات کا شوق بڑھا تو اس کے ساتھ شیعہ اور سنی اختلافات بھی بڑھے۔ تورانی اور ایرانی امرا نے اپنی اپنی سیاسی طاقت کو بڑھانے کے لئے ان اختلافات کو ہوا دی۔ سولہویں صدی کے اواخر میں شاہ اسماعیل ثانی کے دور میں ایران میں بھی شیعہ اور سنی اختلافات میں اضافہ ہوا۔ شاہ کی سختیوں کی وجہ سے بہت سے شیعہ علماء، حکماء اور فقہاء برصغیر میں آئے۔ اور برصغیر کے مدارس میں فلسفہ، حکمت اور کلام ہر دلعزیز ہوئے۔ نصاب تعلیم میں معقولات کو اہم مقام ملا۔ چنانچہ سترہویں

صدی کے نصف میں برصغیر میں ملا عبدالحکیم سیالکوٹی، ملا محمد جونپوری، محب اللہ الہ آبادی علم حکمت کی تعلیم دیتے نظر آتے ہیں۔

یہی وہ زمانہ تھا جب ملا صدرا اپنے اسفار تحریر کر رہے تھے جس میں انہوں نے حکمت متعالیہ کا فلسفہ پیش کیا۔ ملا صدرا نے حکمت متعالیہ میں استدلالی فلسفہ، حکمت اشراق اور اصول عرفان کو یکجا کیا۔ بقول ناصر زیدی اب تک فکر اسلامی میں چار مکاتب تھے جو وجود باری تعالیٰ پر اپنے اپنے طریقے سے سوچتے تھے۔ ایک فلسفیانہ مشائین کا مکتبہ فکر تھا جو ارسطو کی یونانی فکر کے دائرے میں سوچتا تھا۔ ایک اشراقی مکتب تھا جو روحانی تجربے کو لازم سمجھتا تھا لیکن طرز استدلال میں مشائین کا پیروکار تھا، ایک متصوفانہ مکتب فکر تھا جو صرف مذہبی واردات سے واسطہ رکھتا تھا اور فلسفیانہ سوالات کو درخوراعتنا نہیں سمجھتا تھا اور ایک متکلمانہ یا علم الکلام کا مکتب فکر تھا جو ارسطو کی منطق اور نصوص وحی کے حوالے سے فلسفیانہ سوالات کے جواب دینے کی کوشش کرتا تھا۔ یہ سب اپنی اپنی وادیوں میں گھوم رہے تھے۔ ایک دوسرے سے بے تعلق اور بے خبر۔ اکثر ان کے جوابات ادھورے ہوتے اور کہیں نہ کہیں وہ مزید تحقیق اور کھوج سے دستبردار ہوجاتے۔

ملا صدرا نے ان تمام مکاتب فکر اور مناہج کا مطالعہ کر کے ایک ایسا منہج تلاش کیا جو ان سب کا جامع تھا۔ ناصر زیدی کے بقول ملا صدرا کا منہج فکر ترکیبی اورتلفیقی نہیں بلکہ تطبیقی ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ برصغیر میں بھی مجدد الف ثانی، شیخ عبدالحق اور دوسرے مفکرین فکر اسلامی کی اس کش مکش سے نبرد آزما رہے وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے نظریات کے راستے وجود باری تعالیٰ کے ادراک کی کوششیں ہو رہی تھیں۔ لیکن تطبیق کا رجحان شاہ ولی اللہ کے ہاں ملتا ہے انہوں نے وحدت الوجود اور وحدت الشہود میں تطبیق کی کوشش کی۔ دارا

شکوہ نے بین المذاہب تطبیق کی راہ بھی تلاش کی۔ ملا صدرا کی فکر میں ناصر زیدی نے چار براہین کی نشاندہی کی ہے برہان حرکت، برہان حدوث، برہان امکان اور برہان صد یقین۔ ان میں سے پہلی تین براہین بالترتیب فلسفے اور متکلمین کے ہاں موجود تھیں لیکن وہ نامکمل تھیں ملا صدرا نے ان کو گہرائی اور گیرائی عطا کی۔ برہان صد یقین ان سب براہین کی جامع ہے۔ ملا صدرا نے حدوث زمانی، معاد جسمانی اور عقل و وحی کے ادق مضامین کو عقلی بنیادوں پر پیش کیا، فلسفے کو ایک نئی زبان دی۔

ملا صدرا کو اپنے زمانے میں قبولیت نہیں ملی۔ ان کی اتنی مخالفت ہوئی کہ وہ غزالی کی طرح قم کے مضافات میں ایک گاؤں میں پندرہ سال کے لئے گوشہ نشین ہو گئے۔ گوشہ نشینی سے نکل کر شیراز میں جب درس کا سلسلہ شروع کیا تو شیراز طالبان علم و فلسفہ کا مرکز بن گیا تاہم ملا صدرا کے فلسفہ کو دو صدیوں تک وہ فروغ نہیں ملا جس کا وہ بجا طور پر مستحق تھا۔

ملا صدرا اسلام میں فکری نشاۃ ثانیہ کے نقیب تھے۔ تنویر کے جتنے موضوع، جتنے پہلو اور جتنے نکات یورپ کے فلسفیوں کے ہاں اٹھارہویں صدی میں رواج پائے وہ ملا صدرا کی حکمت متعالیہ میں موجود ہیں۔ حرکت جوہری کا تصور اور فلسفے کی مخصوص زبان ان میں سے چند مثالیں ہیں۔ پھر آخر ایسا کیوں ہے کہ یورپ میں تو ان افکار کی نمو ہوئی لیکن اسلامی دنیا میں نہ ہو سکی غالباً اس لئے کہ اسلام نے تو علم کو بہت مقام دیا اور علم کی تحصیل پر بہت زور دیا لیکن اسلامی دنیا اپنی امیت پر فخر کرتی رہی۔ ہمارے مدارس میں علوم بلکہ معقولات کا درس تو دیا جاتا رہا لیکن اس کے مناہج پرانے رہے جو فکری مسائل کا حل تو نہ دے پائے لیکن دین اور عقل و فکر میں فاصلے بڑھاتے گئے۔ حتیٰ کہ عقل و فکر کو دین بیزاری کی راہ پر دھکیل دیا۔

ناصر زیدی کی یہ کتاب عہد جدید کے مسلمان کو دعوت فکر دیتی